صحبتِ کاملین

تاثیر، افادیت، ضرورت

مُرتّب

مولانا محمد عبدالقوی

ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

ناشر

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

سلسلۂ مطبوعات

۱۸

برکات بکڈپو

Barakaath Book Depot

صحبتِ کاملین

تاثیر، افادیت، ضرورت

تحریر

مولانا محمد عبد القوی

ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

ناشر

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

سلسلۂ مطبوعات ۱۸

برکات بکڈپو Barakaath Book Depot

{تفصیلاتِ کتاب}

نام کتاب : صحبتِ کاملین

مرتب : حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم

و ناظم ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

اشاعت اول : محرم الحرام ۱۴۲۷ھ م فروری ۲۰۰۶ء

اشاعت دوم : محرم الحرم ۱۴۳۱ھ م جنوری ۲۰۱۰ء

اشاعت سوم : صفر المظفر ۱۴۳۶ھ دسمبر ۲۰۱۴ء

اشاعت چہارم : ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ جولائی ۲۰۲۲ء

طباعت : البلاغ گرافکس حیدرآباد

تعداد : ۱۰۰۰

ناشر : برکات بکڈپو Barakaath Book Depot

خواجہ باغ، نزد پدماوتی گرلز کالج، حیدرآباد۔ فون:24070681

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش گفتار

دین اسلام کا مدار اصلاً قرآن وسنت پر ہے۔ اور قرآن وسنت نے جن باتوں کی اپنے ماننے والوں کو تعلیم دی اور ان کا پابند کیا ہے ان کا تعلق انسان کے ظاہر و باطن دونوں سے ہے۔ خواہ وہ اوامر کا معاملہ ہو یا نواہی کی بحث !۔ خود ایمان کا تعلق جہاں اقرارِ لسانی سے ہے وہیں تصدیق قلبی سے بھی ہے۔ **اَلْاِیْمَانُ ھُوَ الْاِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَالتَّصْدِیْقُ بِالْجِنَانِ** (مسلم ،البر والصلۃ ۴۷۷۹) ایمان کی طرح اعمال واخلاق کا تعلق بھی ظاہری اعضاء وجوارح کے ساتھ ساتھ قلب و ذہن سے بھی وابستہ ہے۔ چنانچہ عبادات میں مثلاً ذکر، تلاوت وقراءت اور حرکات وہیئات اگر جسم سے متعلق ہیں تو نیت خشوع وخضوع، للّٰہیت وغیرہ دل دھیان سے متعلق ہیں۔ دعا کے سلسلہ میں مثلاً **اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً** (الاعراف ۵۵) فرمایا گیا یعنی اپنے پروردگار کو چپکے چپکے اور تضرع وعاجزی کے ساتھ پکارو، اس میں اگر ''اخفاء'' کے حکم کا تعلق ظاہر سے ہے تو ''تضرع'' کا حکم باطن سے متعلق ہے۔ نماز کے سلسلہ میں مثلاً حکم ہے **قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ** (البقرہ ۲۳۸) اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع کے ساتھ کھڑے رہو۔ اس حکم میں ''قیام'' کی تکمیل جسم سے ہوسکتی ہے تو ''قنوت'' کی تعمیل دل سے ہوگی۔ قربانی کے سلسلہ میں مثلاً ارشادِ نبوی ہے: **وَاِنَّ الدَّمَ لیقع مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَن یَقع عَلَی الْاَرْضِ فطیبو ابھا نفسا** (ترمذی کتاب الاضاحی ۱۴۱۳) یعنی قربانی کرو کیونکہ جانور کا خون زمین پر گرنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوجاتا ہے۔ اس حکم میں بھی ''اہراقِ دم'' کا تعلق اگر ظاہر سے ہے تو ''طیب نفس'' کا تعلق باطن سے ہے۔ جہاد کے سلسلہ میں **مَنْ قَاتَلَ لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا** (بخاری کتاب العلم ۱۲۰) فرمایا گیا۔ یعنی حقیقی جہاد اسی کا ہے جس کا

منشاء صرف اللہ کے دین کی سربلندی ہو۔ اس میں ''قتال'' کا تعلق ظاہر سے ہے اور ''جذبۂ اعلاء کلمۃ اللہ'' باطن سے متعلق ہے۔ قوم فرعون کے بارے میں **وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ** (النمل ۱۴) فرمایا گیا ہے۔ یعنی ان لوگوں نے دلوں کے ماننے کے باوجود (زبان سے) انکار کیا ہے۔ اس میں ''جَحَدُ'' ظاہر کا عمل ہے تو ''استیقان'' باطن کا عمل ہے۔ یہی حال اخلاق وعادات کا بھی ہے۔ چنانچہ **لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا** (الحجرات ۱۲) یعنی کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ **لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ** (الحجرات ۱۲) یعنی کوئی کسی کا مذاق نہ اڑائے ظاہر سے متعلق ہے تو **لَا تَجَسَّسُوْا** (الحجرات ۱۲) یعنی برائیوں کا ٹوہ نہ کرو اور **اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ** (الحجرات ۱۲) یعنی بدگمانیوں سے بچو باطن سے متعلق ہے۔ غرض قرآن، حدیث کی ساری تعلیمات ظاہر و باطن میں منقسم ہیں۔ اسی لئے دین ''تعمیر ظاہر و باطن'' کا نام ہے۔ نہ صرف ظاہر کا نہ صرف باطن کا۔ امام مالکؒ فرماتے تھے ''تصوف بلا تفقہ'' زندقہ و بے دینی ہے، تفقہ بلا تصوف یونہی سوکھا ساکھا دین ہے اور دونوں کا جمع ہونا حقیقت دین ہے۔ اسی لئے علماء ربانیین نے ہر دور میں دونوں ہی امر کی طرف توجہ دیکر دونوں سے متعلق تعلیمات کو مستقل فن کی شکل دی، اور پھر ہر دو فنون کے علاحدہ علاحدہ ماہرین وجود میں آ گئے۔ اب اس کے بعد یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ ''فقہ ظاہر'' کا حصول ''فقہ باطن'' کے مقابلہ میں آسان ہے اور فقہ باطن یعنی ''تصوف'' کا تعلق چونکہ قلب انسانی سے ہے، اور قلب ایک مخفی حقیقت ہے اسلئے اس کی خوبی اور خامی علامات ظاہرہ ہی سے جانی پہچانی جاسکتی ہے مگر یہ کام بہت مشکل اور مہارت و تجربہ کا متقاضی ہے۔ اور اس کے لئے خود پر اعتماد کرنے کے بجائے کسی کامل و ماہر کی نگرانی و تربیت کا آدمی محتاج ہوتا ہے۔ اِدھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعضاء کی سلامتی و صالحیت کا مدار بھی **اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ** (بخاری کتاب الایمان ۵۰) فرما کر قلب کی درستگی ہی پر رکھا ہے۔ اور اللہ پاک کا حکم ہے: **وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ** (الانعام ۱۲۰) یعنی ظاہری و باطنی دونوں قسم کے گناہوں کو ترک کرو۔ شاعر کہتا ہے ۔

دل گلستاں تھا تو ہر شئے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہوگیا عالم بیاباں ہوگیا

حاصل یہ ہے کہ نفس کے مخفی مکاید اور قلب کی چھپی کمزوریوں کو اچھی طرح سمجھنے، پرکھنے اور پھر ان کی اصلاح و درستگی کر کے ان کی جگہ پر مطلوبہ محامد و کمالات پیدا کرنے، نفس کی لمحہ بہ لمحہ نگرانی اور اس پر قابو کا سلیقہ سیکھنے کیلئے معتدبہ زمانے تک کسی صاحب کمال، تجربہ کار، مصلح و مربی کی صحبت اور ان کے ساتھ مضبوط اور دیانتدارانہ اصلاحی تعلق ایک ایسی ضرورت ہے جس کا کسی انصاف پسند صاحب علم و عقل سے انکار ممکن نہیں۔

اسی وجہ سے ہمارے اکابر علماء بالخصوص اکابر علماء دیوبند نے شریعت وطریقت کے تلازم کو تکمیل دین کیلئے لازم سمجھا، اور دورانِ تعلیم، فراغت کے بعد، بلکہ پوری زندگی اپنے آپ کو کسی اللہ والے کی سرپرستی و راہنمائی میں رکھنے کا اہتمام فرماتے رہے۔ لیکن اس قدر اہم اور بنیادی بات ہونے کے باوجود افسوس ہے کہ اس زمانہ میں اس سلسلہ میں اہل علم کی آراء وافکار منقسم ہوگئی ہیں۔ چنانچہ۔ ایک طبقہ سرے سے اس کی ضرورت کا منکر اور اسے ''بدعت قبیحہ'' کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ایک طبقہ نے اس مقدس ومبارک اور انتہائی اہم کام کو عجمی جوگ کے رنگ میں رنگ کر ایک ''نئے دین'' کی شکل دے دی ہے، اور ایک طبقہ ہم جیسوں کا ہے جن کے نزدیک یہ کام علماً واعتقاداً مسلم ہونے کے باوجود ''عملاً متروک'' ہوگیا ہے۔

اگلے صفحات میں راقم سطور نے اسی موضوع پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے جس کو آج سے ۲۰ سال قبل ۱۰ رشعبان المعظم ۱۴۰۶ھ کو جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کے پہلے جلسۂ ختم بخاری شریف کے موقعہ پر طلبہ کے پروگرام میں اساتذۂ کرام کے حکم سے محاضرۃً پیش کیا گیا تھا۔

میری تعلیم چوں کہ مختلف حوادث وعوارض کی وجہ سے مسلسل نہ ہوسکی، وقفہ وقفہ سے ہوئی ہے۔ اس لئے دینی وعلمی مضامین کے بیان کرنے کا جو سلیقہ یا تحریر کرنے کی جو صلاحیت ہونی چاہئے، یقینا مجھ میں نہ اس وقت تھی اور نہ آج ہے۔ بے ربط وضبط جو بن پڑا لکھ کر استاذ محترم

حضرت مفتی نوال الرحمن صاحب مدظلہ العالی کو دکھایا تھا اور ان کی منظوری و اجازت سے جلسۂ عام میں سنا دیا تھا۔ مجھے وہ تحریر ذاتی مسودات کی تلاش میں بار بار نظر آتی تھی تو خیال ہوتا تھا کہ کبھی تھوڑی توجہ اور محنت کر کے اس عنوان پر ڈھنگ سے کچھ مواد جمع کروں گا تاکہ اس سلسلہ میں خود اپنی غفلت کے دور ہونے کا سبب ہو اور احباب بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ مگر ؎

اے بسا آرزوئے کہ خاک شدہ

کسی ادارہ کی نظامت سے زیادہ شاید کوئی مصروفیت نہیں جو آدمی کو ذہنی و جسمانی طور پر کمزور اور تحقیق و تصنیف کے سدا بہار ماحول سے دور کر دیتی ہو۔ بہرحال دوستوں کی یاددہانی پر اسی تحریر کو کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ نذر قارئین کر رہا ہوں اگر اس سے کسی کو کچھ نفع پہنچے تو وہ اس کی خوبی ہے اور اگر بے ترتیبی و بے سلیقگی کی وجہ سے تکدر و ناگواری ہو تو میری خامی! پر اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس مضمون کی خامیوں کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے ہر پڑھنے والے کے لئے اور خود راقم کے لئے فکرِ اصلاح و تربیت پیدا ہونے کا سبب بنائے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنْ

آخر میں حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے چند انتہائی قیمتی ملفوظات بھی ''مقام فناء وعبدیت'' کے نام سے شامل کر لئے گئے ہیں جو اس سلسلہ میں انشاءاللہ نافع ثابت ہوں گے۔

یکم محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

رباعی

تجھ کو جو چلنا طریقِ عشق میں دشوار ہے
تو ہی ہمت ہار ہے، ہاں! تو ہی ہمت ہار ہے
ہر ہر قدم پر رہ رو! کھا رہا ہے تو جو ٹھوکریں
لنگ خود تجھ میں ہے، ورنہ راستہ ہموار ہے

مجذوب علیہ الرحمۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وَ کَفٰی وَسَلامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

قَالَ اللہُ تعَالیٰ: یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ ○ (التوبہ:۱۱۹)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ: لِکُلِّ شَیْئٍ مَعْدِنٌ وَمَعْدِنُ التَّقْوٰی قُلُوْبُ الْعَارِفِیْنَ

بزرگانِ محترم! سامعین کرام!

سب سے پہلے تو میں اپنے اساتذۂ کرام کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے دارالعلوم کے اس تاریخی اجلاس کے موقعہ پر خطاب کے لئے مجھ جیسے طالب علم کو بھی منتخب فرمایا۔ اس ذرہ نوازی وہمت افزائی کو میں اپنے دینی مستقبل کے حق میں فالِ نیک تصور کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتا ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس موقع پر میراروئے سخن بطورخاص اپنے ان رفقاء اور زملاء کی جانب ہوگا جوکل تک ایک طالب علم کی حیثیت سے یہاں زیرتعلیم تھے، بےفکری اور آزادی کی زندگی گزاررہے تھے، اور آج سے ہمارے دین کے رہنما، ہمارے مدارس کے اساتذہ، اور ہماری مساجد کے ائمہ وخطباء قراردئے جائیں گے۔ اور آزادی و بےفکری کے بجائے فکروتدبر، وقارواعتبار کی دنیامیں قدم رکھیں گے۔

میرے دوستواورساتھیو!

آج آپ کودستارفضیلت عطاء کرکے ملت کی صلاح وفلاح، ان کی قیادت ورہنمائی اور دعوت الی اللہ کی وہ عظیم ترین وگراں بارذمہ داری اساتذۂ کرام کی جانب سے سونپی جارہی ہے جس کے لئے پہلے انبیاء ورسل تشریف لایاکرتے تھے اور جو ہمارے نبی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے بعد سلسلہ نبوت کے اختتام کی وجہ سے امت کے علماء کرام کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ اس لئے میں اس موقعہ پر ایک مخلص رفیق وصدیق کی حیثیت سے آپ کو وہ مضمون یاد دلانا چاہتا ہوں جس کے بغیر اس ذمہ داری سے بہ حسن وخوبی عہدہ برآ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جس کی اگرچہ ہر زمانہ میں اہمیت سمجھی گئی تھی مگر اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر اس مضمون کے مذاکرہ اور مطالبہ کی ضرورت اور زیادہ ہوگئی ہے۔ اور وہ مضمون ہے **''تکمیل دین میں صحبت کاملین کی اہمیت''**۔

میرے دوستو! اتنا تو ہم سب جانتے ہیں کہ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے اجتماعی و تمدنی مزاج کا حامل ہے۔ ایک سے دوسرے کو نفع یا نقصان کا پہنچنا فطری امر ہے۔ **المرء علی دین خلیلہٖ** (مسند احمد) **مثل الجلیس الصالح والسوء کحامل المسک ونافخ الکیر** (مسند المکثرین:۸۰۶۵) **المرء مع من احب** (بخاری کتاب الادب ۵۷۰۲) اور ان جیسی دیگر احادیث شریفہ نیز قرآن مجید کی آیات مقدسہ اس پر شاہد ہیں کہ انسان کا بناؤ بگاڑ ماحول سے جس قدر متعلق ہے اتنا کسی اور چیز سے نہیں ہے۔ کتنے ہی برے لوگ آئے دن اچھی صحبت کی برکت سے نیکوکار، اور کتنے ہی اچھے لوگ برے ماحول کی بدولت بدکار ہوتے رہتے ہیں۔ عیاں را چہ بیان؟

اور جہاں تک اخلاق کی تربیت کا معاملہ ہے تو اس کیلئے مناسب ماحول اور اچھی صحبت کے علاوہ ایسے شخص کی بھی ضرورت پڑتی ہے جو تربیت کے راستہ پر ہم سے پہلے چل چکا ہو اور راہ کے نشیب وفراز سرد وگرم کا پختہ تجربہ رکھتا ہو۔

پھر یہ چوں کہ ایک فطری وخلقی معاملہ ہے اس لئے ایک اخلاق ہی کیا ہر لائن میں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ امور دنیویہ میں بھی کاملین کی صحبت ہی آدمی کے باکمال ہونے کا اطمینان دلاتی ہے۔ دیکھئے کسی ڈاکٹر کو برسہا برس کی تعلیم کے بعد بھی ڈاکٹر ہونے کی سند اس وقت تک نہیں دی جاتی جب تک کہ وہ سینئر ڈاکٹرز کی زیر نگرانی وسرپرستی معتد بہ عرصہ تک کام نہ

کر لے۔ کوئی انجینئر، تعلیم محض سے اسوقت تک عملی کردار ادا نہیں کرسکتا نہ ہی لوگ اپنے کاموں کے سلسلہ میں اس پر اعتماد کرتے ہیں تاوقتیکہ ماہر و پختہ کار انجینئر کے ساتھ کچھ عرصہ رہ کر عملی تجربہ نہ کر لے۔ کوئی لائر، قابل ایڈوکیٹ اسوقت تک نہیں کہلاتا نہ عوام وخواص میں قبولیت حاصل کرسکتا ہے جب تک کہ کسی سینئر ایڈوکیٹ کے جونیئر ہونے کا شرف حاصل نہیں کر لیتا۔ یہی بات تمام علوم وفنون میں دنیا کے ہر عقلمند کے نزدیک مسلم ہے۔ پس جب یہ بات عقل ونقل دونوں اعتبار سے مسلم ہے تو یہ بات بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ عین اسی فطرت کے مطابق انسان کے اخلاق واعمال کی اصلاح اور علم وعمل میں موافقت کیلئے بھی اس سلسلہ میں وارد شدہ وعدوں اور وعیدوں مدحتوں اور مذمتوں کا ''علمِ محض'' مفیدِ مقصد تو ہوسکتا ہے کافی نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ علماء ربانیین اور مشائخ کاملین کی صحبت ومعیت معتد بہ زمانہ تک حاصل نہ ہو اور ان کی نگرانی میں معلومات کو معمولات میں تبدیل نہ کر لیا جائے۔ اس وقت تک آدمی کی انسانیت مکمل ہوتی ہے نہ اسلامیت!

یہی وجہ ہے کہ پروردگار عالم نے انسانیت کے لئے قائم کردہ ''نظام ہدایت'' میں ''انزالِ کتب وصحف'' کے ساتھ ساتھ ''ارسالِ انبیاء ورسل'' کو بھی ضروری سمجھا۔ چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ دنیا میں ''نبی بغیر کتاب'' تو ہزارہا تشریف لائے لیکن ''کتاب بغیر نبی'' کے ایک بھی نہیں بھیجی گئی۔

برادرانِ عزیز و یارانِ سبیل!

اسی طرح میں آپ کی توجہ اس طرف بھی مبذول کرنا چاہوں گا کہ حق تعالی نے قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد جہاں یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (البقرہ ۱۲۹) بتلایا ہے وہیں پر ان کی بعثت کی ایک دوسری غرض یُزَكِّيهِمْ بھی قرار دی ہے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی شناخت اگر کبھی بُعِثْتُ مُعَلِّمًا کے ذریعہ کرائی تو کبھی بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ (رواہ البخاری فی الادب المفرد رقم ۲۷۳) کے عنوان سے بتلائی ہے۔ جس کا صاف

مطلب یہ ہے کہ علم، بلاعمل اور عمل، بلاتزکیۂ باطن وتصفیۂ اخلاق قبولیت کے لائق ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔ بلکہ علم کے ساتھ عمل کا جڑنا اور عمل کے ساتھ اخلاص وللّٰہیت اور خداترسی کا جمع ہونا ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ چیز بلاصحبتِ کاملین ومعیتِ صادقین کے حاصل ہونا عادۃً ممکن نہیں۔ اسی لئے قرآن کریم میں تمام اہل ایمان کو مخاطب کرکے ''صادقین'' کی معیت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ ۱۱۹) ''اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور (اس کے لئے) صادقین کی صحبت اختیار کرو''۔ آپ غور فرماویں کہ حصول تقوی کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے وفور علم یا کثرت معلومات کو نہیں بتلایا بلکہ صحبتِ صادقین کو قرار دیا ہے۔ اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی تقوی اللہ و تعلق مع اللہ کی دولت کو کتابوں کے صفحات پر ڈھونڈنے کے بجائے عارفین کے قلوب سے اخذ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ لِكُلِّ شَيْءٍ مَعْدِنٌ ، وَمَعْدِنُ التَّقْوٰی قُلُوْبُ الْعَارِفِیْنَ ، اسی کو حضرت حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں ؎

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ　　ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اور مولانا رومؒ بہت پہلے فرماچکے ہیں ؎

گر ملک باشد سیہ ہستش ورق　　بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق

دوستو! عارفین وصادقین کی معیت وصحبت کا حکم اور اس کی اہمیت تو معلوم ہوگئی، اب دیکھنا یہ ہے کہ صادقین کون ہیں؟...... وہی اصحاب علم وعمل جن کی زندگی امتثال اوامر واجتناب نواہی کا مظہر جمیل بنی ہوئی ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرہ:۱۷۷) معلوم ہوا کہ متقیین ہی صادقین ہیں۔ پھر تقویٰ کی حقیقت احکام کی بجاآوری اور نواہی ومناہی سے احتراز واجتناب ہے۔ التقوی هی محافظة أداب الشريعة، و مجانبة كل ما يعبدك من الله تعالیٰ ''آدابِ شریعت کی حفاظت اور اللہ تعالیٰ کی رضا سے دور کرنے والے اعمال سے اجتناب تقویٰ ہے''۔ اب رہ گیا یہ کہ یہ اہل صدق وصفا کی

معیت ومصاحبت کس قدر ہونی چاہئے؟ تو اس کا جواب صاحبِ روح المعانی علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے لتکونوا مثلھم (روح المعانی: ۴۵/۷) سے تفسیر کر کے دے دیا ہے۔ یعنی ان کی معیت اتنی ہونی چاہئے کہ تم خود بھی ویسے ہی ہو جاؤ اور اسی رنگ میں رنگ جاؤ۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں اہل اللہ ہمیشہ صحبت صالحین و کاملین کا اہتمام فرماتے رہے۔ اس کے لئے دعائیں مانگتے اور اپنے چاہنے والوں کو بھی اس کی تلقین فرماتے رہے۔

ہندوستان کے مشہور مشائخ میں مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ تعالیٰ سے اہل علم میں کون ناواقف ہوگا۔ صحبت صالحین کی افادیت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اگر مجھے شب قدر مل جائے تو میں اس میں اللہ تعالیٰ سے صحبت صالحین ورفاقت کاملین کی نعمت طلب کرلوں گا''۔

انہی کے خلیفہ تفسیر مظہری کے مصنف، فقیہ وقت، بیہقی الہند حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی معروف ومتداول کتاب ''مالا بد منہ''......جس کو ہم لوگ ابتدائے درسِ نظامی ہی میں پڑھ چکے ہیں ...... میں ''کتاب الحج'' کے اختتام پر ''کتاب الاحسان'' کا آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں، جو کچھ ہم نے گذشتہ صفحات میں بیان کیا ہے وہ شریعت کا ظاہر اور پوست تھا، یہاں سے شریعت کے باطن اور اس کے مغز کو بیان کرتے ہیں۔ اور معلوم ہونا چاہئے کہ مغز شریعت (کتابوں میں نہیں) اللہ والوں اور خدا رسیدہ بزرگوں کی صحبت میں ملتا ہے۔ حقیقت (یعنی مغز شریعت جسے اصطلاح میں تصوف وسلوک کہا جاتا ہے) کو شریعت سے علاحدہ نہ سمجھنا چاہئے کیونکہ ایسا سمجھنا کفر و جہل ہے۔ آگے فرماتے ہیں بہر حال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی انوار و برکات کو اہل اللہ کی صحبتوں اور خدمتوں سے حاصل کر کے اس نور مبارک سے اپنے سینوں کو منور ومجلی کرنا چاہئے۔

اسی طرح مشہور فقیہ وصاحب فتوی عالم ابن عابدین شامی فقہ حنفی کی اپنی مایۂ ناز تصنیف کے مقدمہ میں فرماتے ہیں ''حسد، عجب، کبر وغیرہ امراض باطنی کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر

اسی طرح فرض عین ہے جس طرح دیگر فرائض ظاہرہ‘‘۔ اور ظاہر ہے کہ اس حساس ولطیف علم کا ادراک بغیر تجربہ وصحبت کاملین کے محض کتابوں سے نہیں ہوسکتا۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ فقہاء ظاہر بھی فقہ باطن کے قائل ہیں اور صرف ضرورت کے نہیں فرضِ عین ہونے کے قائل ہیں۔ اسی لئے امام ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ ’’ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی استاذ و مربی ہو۔ اس لئے کہ جس نے ایسا نہیں کیا وہ کبھی فلاح یاب نہیں ہوا‘‘۔ شیخ ابوعلی دقاق فرماتے ہیں ’’خودرو پودے اکثر جلانے ہی کے کام آتے ہیں اور غارس و کاشتکار کی محنت ونگرانی میں پروان چڑھنے والے درختوں سے پھل پھول برگ و بار دستیاب ہوتے ہیں‘‘۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا کوئی بڑا نہ ہو شیطان اس کا بڑا بن جاتا ہے۔ شیخ اکبر ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح علم عقائد وفقہ کے لئے علماء ظاہر کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ’’علم باطن‘‘ کی تحصیل کیلئے ان علوم کے ماہر علماء کی ضرورت ہے۔ کوئی شخص امراضِ باطنہ کا علاج ماہر وتجربہ کار شیخ کے بغیر نہیں کرسکتا۔ خواہ اسے اخلاق ومواعظ کی ہزاروں کتب یاد ہوں۔ مرشد کامل کے بغیر باطنی ترقیات کی راہ میں قدم رکھنے والا ایسا ہی ہے جیسے طب کی کتابیں رٹا ہوا طبیب، کہ جب وہ اس پر بولے گا اور تقریر کرے گا تو لوگ اس کے علم کی داد دیں گے اور اگر کسی کا علاج کرے گا تو اس کی ناتجربہ کاری کو دیکھ کر اسے جاہل اناڑی قرار دیں گے۔

غرض یہ ہے کہ سلف صالحین سب کے سب اس ضرورت کے قائل ہیں۔ خواہ وہ علماء ہوں یا فقہاء ومحدثین، خواہ ابتداء ہی سے خواہ اواخر ایام حیات میں، اور کیوں نہ ہوتے جب کہ قرآن وحدیث میں اعضاء وجوارح کے ساتھ قلب کو بھی پابند احکام کیا گیا ہے اور ظاہر کے ساتھ باطن کی تعمیر وتصلیح کا حکم دیا گیا ہے تو پھر کس کی مجال ہے کہ علوم ظاہرہ وباطنہ دونوں کے

حصول، اور ان کے ماہرین کے وجود کے ضروری ہونے کی مخالفت کرے؟ یہی وجہ ہے کہ مخالفین تصوف وسلوک بھی (جب انہیں اس سے مفر کی کوئی صورت نظر نہ آئی) تو اپنے لٹریچر میں اس مضمون کو مختلف عنوانات سے شامل کرنے پر مجبور ہوئے ہیں، مگر اسبابِ عادیہ وعقلیہ سے انحراف کرتے ہوئے محض فلسفیانہ انداز میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب کہ راہ حق کا سلوک ایک عملی شئے ہے۔ فلسفہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

البتہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں چوں کہ صدق وصفائی ظاہراً و باطناً پورے ماحول پر غالب تھی، ہر مسلمان ایک دوسرے کا بصمیم قلب خیر خواہ تھا، اخلاق...... اغراض کی جکڑ سے آزاد تھے، ظاہر و باطن میں یکسانیت تھی، تو کاملین کو تلاش کرنے، باقاعدہ اور باہتمام ان کی صحبت کو اختیار کرنے اور تربیت نفس وتزکیہ اخلاق کے لئے مختلف طرق و تدابیر وضع کرنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔ لیکن جیسے جیسے ...... اخبارِ نبوی کے مطابق ......امت کے دین وتدین، امانت و دیانت اور اخلاص وللّٰہیت میں زوال آتا چلا گیا اور نفاق کی خوبو اسلام میں رچنے بسنے لگی تو سلف صالحین نے جس طرح قرآن کریم کی حفاظت کے لئے اصول تجوید وتفسیر، حدیث شریف کی حفاظت کے لئے اسماء الرجال اور اصول حدیث اور احکام اسلامی کی حفاظت اور ان پر عمل کے رواج کو باقی رکھنے کے لئے اصول فقہ وضع کئے، پھر ان فنون کو مخصوص ترتیبوں اور عنوانات کے تحت مدون کرنے کا فریضہ عادلہ ادا فرمایا، نیز ان ذرائع کو مقاصد کا موقوف علیہ بن جانے کی وجہ سے مقاصد کا ہی درجہ عطا کیا۔ بالکل اسی طرح ''ماہرینِ علومِ باطنہ'' نے بھی ''احسان وسلوک'' کی حفاظت کیلئے کاملین سلوک کے اوصاف کی نشاندہی اور تحصیل وتکمیل سلوک کے طریقوں کی ترتیبیں وضع کیں اور انہیں فنی اعتبار سے مرتب ومدون کیا۔ جن میں سب سے اہم چیز شیخ کا اپنے فن میں کامل اور شرع شریف کے احکامات پر سنت کے مطابق عامل ہونا ہے۔ اس سلسلہ میں صوفیاء کرام کا عقیدہ ہے ؎

گر ہوا میں اڑتا ہو وہ رات دن   ترک سنت جو کرے شیطان گن

جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا ایک صوفی نما شخص اپنے خدا رسیدہ اور نماز روزہ سے مستثنیٰ ہونے کا دعوی کرتا ہے اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا ''ہم بھی اس کے پہنچے ہوئے ہونے کی تصدیق کرتے ہیں مگر کہاں؟ جہنم میں!!'' نحن نصدق وصاله ولكن الى السعير۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ سلف صالحین کے نزدیک صحبت کاملین اور تربیت نفس کی ضرورت دین اسلام کی تکمیل کے لئے تھی، نہ کہ ایک دوسرا دین وضع کرنے کیلئے۔

یہ اور بات ہے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ جہلاء اور ہوس پرستوں کی ایک جماعت اس راہ میں گھس آئی اور اس نے دین کی ایک اور شکل وضع کر ڈالی اور دعوی کرنے لگی کہ شریعت اور چیز ہے طریقت وحقیقت اور شئے۔ لیکن میں سناچکا ہوں کہ ہمارے محقق علماء شریعت وطریقت کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کو جہل وکفر سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک طریق کی حقیقت ''تعمیر الظاہر والباطن'' تھی جو عین شریعت اور مطالبہ قرآن وسنت ہے۔

پھر یہ بات بھی تو سنجیدگی سے غور کرنے کی ہے کہ کیا ایسی بدعتیں صرف علوم باطنہ ہی میں پیدا ہوئیں؟، علوم ظاہرہ بدعات سے بالکل محفوظ ہیں؟۔ ہرگز نہیں! تو پھر بدعات کے اثرات سے بچنے کا جو حل فقہ ظاہر میں نکالا گیا ہے فقہ باطن میں بھی نکالا جاسکتا تھا۔ ایسا کیوں نہ کیا گیا؟ اور کیوں اسے بدعت کا نام دے کر سرے سے ترک کردیا گیا۔ کبھی مصنوعی اشیاء کے مارکٹ میں آجانے کی وجہ سے آپ ہی بتلائیں کہ اصلی کا استعمال بھی ترک کردیا جاتا ہے؟ یا کہیں بیماریوں کے پھیلاؤ وزیادتی کو دیکھ کر حفظان صحت کی تدابیر ہی چھوڑ دی جاتی ہیں؟ یا اور چوکنا ہوکر ان کے اختیار کرنے میں شدت پیدا کردی جاتی ہے؟ ہر صاحب سمجھ فیصلہ کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خیر القرون اور اسلام کے صدر اول کے گذر جانے کے بعد جب ظاہر وباطن میں اختلاف کے واقعات پیش آنے لگے تو سلف صالحین نے اس کی جانب خصوصی توجہ دی، اور اپنے ایمان کو ''نفاق عملی'' کے اثرات وخطرات سے محفوظ رکھنے کیلئے قرآن وحدیث کی روشنی

میں مؤثر تدابیر کو اختیار فرمانا اور مسلمانوں کو اس کی تاکید کرنا شروع کیا۔ اور صحبت صادقین و صالحین کو ہر مسلمان کے لئے دین کی حفاظت کے واسطے لازم قرار دینے لگے۔

میرے دوستو! آج جب تصوف وطریقت کی بات کی جاتی ہے، یا کسی مربی و مصلح کا سایہ سر پر ہونے کی ضرورت کا مسئلہ اُٹھتا ہے تو ہماری نظر صرف شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہؒ، امام ابن جوزیؒ، امام ابن قیم رحمہم اللہ جیسی چند شخصیتوں پر جا کر رکھتی ہے۔ جو سب کے سب ایک مخصوص مکتب فکر کے حامل ہیں اور تصوف ومتصوفین کے خلاف سخت موقف رکھتے ہیں۔[1]

تاریخ اسلام میں معلوم ہونا چاہئے کہ یہی چند علماء کرام۔

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

......کے مصداق نہیں ہیں بلکہ نامی گرامی محقق علماء ان کے علاوہ لاکھوں سے متجاوز ہیں۔ اس سلسلہ میں جب ہم ان سب کی تحقیقات اور تعلیمات کے مجموعہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اکثریت انہی علماء وائمہ کی ملتی ہے جو اصحاب طریق وتصوف کے قدرداں، ان کی خوبیوں وکمالات کے معترف اور ان کی صحبت کی حیرت انگیز برکات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ تصوف وطریقت کے بارے میں مذکورہ بالا علماء کرام کی شخصی آراء یا غلط فہمی پر مبنی افکار کے حوالہ سے جمہور علماء کرام کی اجتماعی واتفاقی فکر اور طرز عمل سے انحراف اختیار کرتے ہیں وہ دراصل ان حضرات کے متبع نہیں ہیں بلکہ اپنی طبیعت کے اِباء اور نفس کے انکار پر ان حضرات کی رائے کا پردہ ڈال کر اس راہ کے مجاہدات سے بچنے کی صورت نکال لینا چاہتے ہیں۔

---

[1] اور اگر غور کیا جائے تو ان حضرات کے نزدیک بھی تربیت نفس اور تصوف وسلوک کی حقیقت ومصداق کی اہمیت مسلم ہے۔ مگر وہ اصطلاحاتِ فن اور تدابیر راہ سے متوحش معلوم ہوتے ہیں، وہ بھی بعض جاہل صوفیاء کی بے اعتدالیوں اور زیادتیوں کو دیکھ یا سن کر، ورنہ خود ان حضرات کی بعض تصانیف مستقل اسی فن پر موجود ہیں۔ تفصیل کیلئے اہل علم، مولانا عبدالحفیظ مکی کی کتاب "موقف ائمة الحركة السلفية من التصوف والصوفية" کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ نہایت چشم کشا مضمون ہے۔

میرے دوستو اور ساتھیو!

مختصر یہ ہے کہ صحبت کاملین اور معیت عارفین وصادقین کی افادیت وضرورت کو ہر زمانہ میں محسوس کیا گیا اور کبھی اس کی ضرورت کے سلسلہ میں دورائیں نہیں پائی گئیں۔ غور کیجئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب صاحب علم نہیں تھے، ان میں سے بہت سے تو بہت زیادہ نوافل اور اذکار واشغال کے پابند بھی نہیں تھے۔ اس کے باوجود ولایت کا جو مرتبہ ان کو حاصل ہوا اس پر اجماع ہے کہ پوری امت کے اولیاء، ابدال، اقطاب واغواث مل کر ان کے مرتبہ ولایت کو نہیں پاسکتے تو آخر کس وجہ سے؟ اسی لئے نا کہ ان کو اولین وآخرین کے سب سے بڑے کامل، عارف وصادق، خلق عظیم کے حامل مربی یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت مبارکہ نصیب ہوئی تھی اور ان کے بعد اب یہ کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ تو اس فضیلت کا اصل سبب علم وعمل کے بجائے ''صحبت نبوی'' ہی قرار پایا۔

اسی لئے ہمارے اکابر علماء دیوبند کے ہاں بھی جن کے مسلک کو ہم افراط وتفریط سے محفوظ ایک نہایت ہی محتاط ومتعدل مسلک سمجھتے ہیں......شریعت کے ساتھ طریقت کو، علم کے ساتھ معرفت کو، اور جہد وعمل کے ساتھ صحبت کاملین وعارفین کو اعتقاداً وعملاً لازم وملزوم سمجھا جاتا تھا۔ ان کی زندگیاں اسی جامعیت کا حسین آئینہ اور ان کی تعلیمات اسی حقیقت واقعہ کا لازوال خزینہ تھیں۔

حضرت گنگوہیؒ جیسے فقیہ، حضرت نانوتویؒ جیسے حکیم، حضرت سہارنپوریؒ جیسے محدث، حضرت شیخ الہند جیسے شارح حدیث اور حضرت تھانویؒ ومدنیؒ جیسے جبال علم وفہم کا اپنے اپنے مشائخ کی خدمتوں اور صحبتوں میں رہنے کیلئے (باوجود اپنی تمام تر علمی وتحقیقی مصروفیات کے) وقت نکالنا، ان کی نگرانی وراہنمائی میں سراپا اطاعت ہو کر ریاضت ومجاہدہ کے مراحل سے اپنے آپ کو گذارنا اور اپنے سب کمالات کو وسائل واسباب کی نسبت سے انہی کی نگہ عنایت اور صرف ہمت کی برکت تصور کرنا کیا کوئی شعبدہ بازی ہے یا کسی حقیقت کی عکاسی؟ پھر کیا ہم

جیسوں کیلئے جوانہی بزرگوں کی عظمت سے منسوب ہوکراورانہی کا نام لے کراپنا مقام ومرتبہ جتاتے پھرتے ہیں عبرت وموعظت حاصل کرنے کیلئے اس میں کوئی سبق موجود نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر کبھی ہم نے غور کیا کہ ان بڑے بڑے علماء کو جن کے پاسنگ کو بھی آج ہم نہیں پہنچ سکتے آخر کیوں اپنے اپنے زمانہ کے صاحب نسبت وحامل طریقت بزرگوں کی خدمت میں پہنچنے، ان کے سامنے زانوئے سلوک طئے کرنے اور ان کی راہنمائی میں خودکو اور خودی کو فنا کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی؟

میں آپ کو اب ان میں سے چند قدیم وجدید ایسے علماء کی خدمت میں لے چلنا چاہتا ہوں جنہوں نے ''تعلیم وتزکیہ''، ''شریعت وطریقت'' اور ''تعمیر ظاہر وباطن'' کو جمع کرکے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو سدابہار ولازوال بنالیا تھا، وہ آج ہم میں نہیں ہیں لیکن ہمارے قلوب آج بھی ان کی عظمت ومحبت سے بھرپور اور علم وعمل سے مرعوب ہیں۔

❁ یہ ہیں امت کے علماء میں ایک عظیم المرتبت عالم دین، مشہور زمن وآبروئے فکروفن، حجۃ الاسلام ومقتدائے انام، سیدنا الامام الغزالی رحمہ اللہ۔ علم وفضل کا حال یہ ہے کہ تکمیل علوم کے بعد جب نیشاپور سے واپس ہونے کا ارادہ فرمایا تو اپنے وقت کے جلیل القدر عالم دین اور ان کے استاذ گرامی ابوالمعالی امام الحرمینؒ نے شہر سے باہر نکل کر انہیں رخصت کیا۔ رخصت کرتے ہوئے اپنے اس ۲۷ سالہ نوجوان شاگرد کے بارے میں یہ شہادت دی کہ وہ اس زمانہ کے ''امام العلماء'' ہیں۔ جب وہ بغداد کے جامعہ نظامیہ میں مسند صدارت پر فائز کئے گئے تو ان کے علم وفضل سے فائدہ اُٹھانے والوں میں نوجوان طالبان علوم کے ساتھ ساتھ کبیر السن علماء کرام بھی شریک رہتے تھے۔ ان کی وجہ سے جامعہ نظامیہ بغداد کو جو شہرت، قبولیت اور عظمت وحشمت کا مقام ملا تاریخ گواہ ہے کہ وہ دربارِ شاہی کو بھی حاصل نہ ہوا تھا۔

اس سب کے باوجود جب تائید غیبی سے انہیں اپنے نفس کی تربیت اور اخلاق کی اصلاح کا فکر نصیب ہوا تو عزت ورفعت کے ان ظاہری مرتبوں، سربلندی وبلند پروازی کے پرفریب

نقشوں اور دلربا منظروں سے اپنے آپ کو علاحدہ کر کے نیز طلباء وعلماء کے ایک جم غفیر کو ان کے اصرار کے باوجود نظر انداز کر کے بغداد کو خیر باد کہہ دیا۔ دمشق پہنچ کر وہاں کے ایک شیخ کامل کی صحبت ومعیت اختیار فرمالی۔ ان کے زیر سایہ وموافق ہدایت ذکر وشغل میں مصروف ہو گئے۔ آپ غور کیجئے کہ علوم ظاہرہ ومناصب عالیہ میں آخر وہ کون سی چیز تھی جو الامام الغزالی کو بغداد میں میسر نہ تھی؟ اگر کچھ کمی تھی تو ظاہر ہے کہ بس اسی صحبت ومعیت کے برکات، اور علم وہنر کے حقیقی ثمرات کی کمی تھی۔ جس کی جستجو وطلب نے انہیں عز وشرف، مقام ومرتبہ، راحت وآرام سب کچھ سے بے نیاز کر دیا تھا۔ پھر اس عرصہ میں شیخ کامل کی صحبت ومعیت اور ذکر وشغل کی پابندی سے انہوں نے جو کچھ پایا اور جس دولت بے بہا کو حاصل کیا اس پر وہ اس قدر مسرور ومطمئن ہوئے کہ اس راہ میں جن دولتوں کی قربانی کرنی پڑی تھی اور جن مرتبوں کو ٹھکرانا پڑا تھا اس کا چنداں فکر وغم ان پر نظر نہ آتا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ اس عالم ربانی نے اس صحبت وتربیت میں کیا نفع محسوس کیا اور کس طرح اپنے معاصرین وناقدین کے سامنے اس کا برملا اظہار کیا؟ سنئے اور انہی کی زبان سے سنئے ''**المنقذ من الضلال**'' میں ان کے اعترافات کا خلاصہ ہے:

> ''ہم پہلے جب دین کی خدمت، علم کی اشاعت کرتے تھے تو اس سے ہمارا مقصد صرف حب مال وجاہ ہی ہوا کرتا تھا اور اب خلوص وللہیت کا حال یہ ہے کہ ایک لفظ بھی ہماری زبان سے رضائے الٰہی کے علاوہ کسی اور نیت سے نہیں نکلتا''۔

❁ تقریباً یہی حال رمز آشنائے شریعت، نکتہ دان طریقت، عالم وعارف مولانا جلال الدین رومیؒ کا بھی ہے...... جن کی مثنوی شریف احسان وسلوک کے مسائل حل کرنے اور اوہام وشکوک کو زائل کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ اور جو صدیوں سے اہل اللہ اور سالکین راہ طریق کے لئے دردِ دل کی دوا اور مرض غفلت کیلئے سبب شفاء بنی ہوئی ہے...... مولانا بھی شروع میں ''ملائے خشک'' تھے، لیکن جب شمس الدین تبریزؒ جیسے صاحب نظر واہل دل اللہ والے کی نظر

فیض اثر نے ان کے خشک دل میں دردِ محبت کی آگ جلادی اور یادالٰہی کی تڑپ پیدا کردی تو ان کی نظر میں اپنے لئے مولائے روم کا لقب، طالبان علم کا ہجوم، پاپوش برداروں اور حاشیہ نشینوں کی عقیدت، حتیٰ کہ بادشاہِ وقت خوارزم شاہ کی عقیدت مندی و پالکی برداری، بے حیثیت اور ہیچ در ہیچ ہوکر رہ گئی۔ اک درد سا دل میں اٹھ گیا تھا۔ ایک آگ سی روح میں لگ گئی تھی۔ طبیعت تھی کہ کسی اَن دیکھی دولت ولذت سے محرومی کے احساس سے بے چین! اور عقل اس کے حصول کی تدبیروں میں مگن ومشغول!! نہ اغیار کی تنقیدوں وتنقیصوں کی پرواہ! نہ اپنوں کے طعن وتشنیع کا خوف! بہر حال سب طرف سے یکسو ہوکر اسی صاحبِ دل واہل نظر اللہ والے کا دامنِ تربیت صبر وثبات کے ہاتھوں تھام لیا۔ اور انہی کی صحبت ومعیت کو مقصد حیات بنالیا۔ کچھ ہی دن مجاہدوں اور ذلت ومسکنت کے راستوں سے گزرنے کے بعد وہ وقت بھی آیا کہ اپنے ان علوم میں جو لفظ وبیان تک محدود تھے کیف ولذت کی خوشبو آنے لگی۔ ایسا کیف، ایسی لذت کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اس کے سامنے پرکاہ سے حقیر تر، دل ودماغ میں وہ معارف و حِکَم کے چشمے اُبلنے لگے کہ فنونِ ایران وعلوم یونان ان کے روبرو گردِراہ سے بدتر، آنکھوں کو وہ سرمۂ بصیرت ملا کہ نگاہیں مظاہر کی رکاوٹوں کو توڑ کر ان میں مخفی حقائق کا پتہ چلانے لگیں۔ قلب کو ذکر الٰہی کا وہ چسکہ لگا کہ دنیا کی ہر لذت اُس کے مقابلہ میں بے حیثیت ہوکر رہ گئی۔ غرض علم، صحیح معنوں میں علم بن گیا اور عقل، حقیقت میں نور علم سے منور ہوگئی تو بے ساختہ اعتراف کیا اور پکار اٹھے۔

مولوی نہ شد مولائے روم　　　تا غلام شمس تبریزی نہ شد

❁ یہ محقق تھانویؒ ہیں بڑے عالم، زبردست مفتی، مایۂ ناز خطیب، عظیم تر مصنف، مفسرِ قرآن اور پیر طریقت! حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر ہیں سراپا اطاعت ہیں، اپنی ہستی کو مٹارہے ہیں، آخر کچھ تو پارہے ہوں گے کچھ مل رہا ہوگا کسی کمی کی تکمیل اور تشنگی کی تسکین ہورہی ہوگی۔ ورنہ آخر اتنے بڑے عالم کو کیا ضرورت پڑی تھی وہاں جانے کی؟ علم وفن

کے اعتبار سے کیا کچھ نہیں تھا۔عزت وشہرت میں کیا کسر تھی۔ پھر کسی شیخ کامل کی احتیاج کیوں محسوس کی گئی، اور پھر اس مجاہدہ وصحبت کی برکت سے کیا پایا؟ انہی سے پوچھئے وہ اعتراف کررہے ہیں۔

خودی جب تک رہی اس کو نہ پایا جب اس کو ڈھونڈ پایا تو خود عدم تھے
تمہاری کیا حقیقت تھی میاں، آہ! یہ سب امداد کے لطف وکرم تھے

اس نسبت وصحبت سے پہلے اور بعد کی قلبی وروحانی صورتحال کو بھی ذرا دیکھئے کس طرح مستانہ وار بیان کررہے ہیں۔

جلا کردۂ دستِ دلدار ہوں میں سیہ دل تھا یا اب پرانوار ہوں میں
سنوارا ہے کس درجہ بگڑے ہوئے کو مجھے دیکھ! آئینۂ یار ہوں میں

پھر خانقاہِ تھانہ بھون میں بڑے بڑے علماء کی موجودگی میں علمی نکتے بیان ہورہے ہیں۔ تصوف کی گرہیں کھولی جارہی ہیں۔ قرآنی علوم وحکم پر سے پردے اُٹھائے جارہے ہیں احادیث مبارکہ کی مشکلات دور کی جارہی ہیں، فقہی جزئیات واشگاف ہورہی ہیں، دریں اثناء کسی صاحبِ علم کی زبان سے بے ساختہ دادِ تحسین وآفرین نکل جاتی ہے۔اس کو سن کر ذہن اس سرچشمۂ برکات کی طرف چلا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سیاہ کو پُرانوار بنانے کیلئے اسباب کی اس دنیا میں منتخب کیا تھا۔جواب میں زبان گویا ہوئی تو بایں الفاظ۔

یہ سب حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت ہے

کسی نے آخر سوال کر ہی لیا کہ حضرت! یہ جو علوم آپ بیان فرماتے ہیں، ہم بھی تو عالم ہیں، ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملے۔آخر آپ کونسی کتابوں کا مطالعہ فرماتے ہیں؟ غور سے سنئے جواب کیا ارشاد ہورہا ہے؟

میں نے ''کتب'' تو زیادہ نہیں دیکھیں البتہ چند ''قطب'' کو دیکھا اور ان سے فیض اٹھایا ہے۔یعنی حضرت حاجی صاحبؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا یعقوبؒ صاحب وغیرہ۔

۞ یہ محدث کشمیری ہیں، پورا ہندوستان جن کے علم وفضل کے چرچوں سے گونج رہا ہے،کبھی عربی میں بات شروع ہوتی ہے تو پورا گھنٹہ عربی چل رہی ہے،لگتا ہے کسی قدیم عرب عالم کا درس ہے،کبھی فارسی میں تو فارسی ہی میں گویا ہیں۔سبق کیا ہے؟علم وتحقیق کی میزان پر بڑے بڑوں کو لایا اور تولا جارہا ہے، ذہانت وفطانت، عقل وفراست،علم وتحقیق اور حفظ و یادداشت میں کہا جارہا ہے کہ تاریخ،گزشتہ پانچ صدیوں میں اس شخص کی نظیر نہیں پیش کرسکی۔ ملک کے گوشہ گوشہ سے نہیں،اقطاعِ عالم سے طالبین وشائقین شرفِ تلمذ حاصل کرنے کے لئے کھنچے چلے آرہے ہیں،طلبہ تو طلبہ،اساتذہ جسے دیکھ کر حیران ہیں اور انھیں قدرت کی ایک نشانی، اسلام کا ایک معجزہ قرار دیا جارہا ہے۔جس کے درس حدیث میں شرکت اور تبادلۂ خیال و استفادۂ علم کے بعد ......باوجود مسلکی اختلاف بلکہ تعصب وتشدد کے ......یمن کے ایک زبردست عالم علی یمنی دارالعلوم کی مسجد قدیم میں طلبۂ مدرسہ سے خطاب کرتے ہوئے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کرنے پر مجبور ہورہے ہیں۔

لو حلفت انه اعلم بأبي حنيفة لما حنثت

اور جس کی ایک مختصر تقریر کے دوران بار بار اپنی جگہ سے بے ساختہ کھڑے ہوکر مصر کے مشہور عالم عربی کے منفرد ادیب ونقاد علامہ رشید رضا واللہ مارایت مثل هذا العالم قط کی داد دیتے جارہے ہیں۔اس سب کے باوجود دیکھنے والوں کی آنکھوں نے دیکھا اور قلم نے شہادت رقم کی کہ یہی محدث عظیم دن بھر اپنی درسگاہ میں علم وفضل کے موتی بکھیرنے کے بعد شام کو اپنے استاذ اور شیخ ومرشد حضرت شیخ الہندؒ کی مجلس شریف کے ایک گوشہ میں دوزانو باادب وسراپا احترام بیٹھ کر پنکھے کی ڈوری کھینچنے میں مشغول ہے۔اللہ اکبر!آپ غور کرسکتے ہیں کہ علمی کمالات اور عرفی مراتب ہی اگر سب کچھ ہوں تو محدث کشمیری کو کونسی حاجت ان علمی وعملی سرفرازیوں اور نیک نامیوں کے باوصف بارگاہِ شیخ میں پہنچا رہی اور اپنے کو مٹانے، چھوٹا بنانے، عقیدت وخدمت کا بارگراں اٹھانے پر مجبور کررہی ہے۔آخر وہ کیا چیز تھی جو انھیں کتابوں،

درسگاہوں میں حاصل نہیں ہوسکی تھی جو لٹریچر کے صفحوں و لائبریری کی الماریوں میں دریافت نہ ہوسکی تھی جو عقل وخرد، ذکاوت وفراست کی جولانیوں میں مل نہ سکی تھی، جو درس وتدریس، وعظ وتصنیف کی مشغولیتوں میں بھی نصیب نہ ہوسکی تھی، اور تھی ایسی اہم اور ضروری کہ کوئی مشغولی اس کے فکر حصول میں مانع ہوسکتی تھی نہ ہی کوئی مقام ومرتبہ اس کی سعی میں حائل ہوسکتا تھا! پھر یہی نہیں کہ صرف خود ہی کو اس جنون ودیوانگی میں مبتلا کرنے پر اکتفاء کر رہے ہوں بلکہ اپنے ان محبوب تلامذہ کو بھی جنھوں نے آٹھ برس کی مسلسل محنتوں، دن رات کی کاوشوں کے بعد جب علوم آلیہ وعالیہ کی تحصیل سے فراغت کی سند حاصل کی تھی، انھیں بھی دستار فضیلت عطاء کرتے ہوئے تاکیدی نصیحت اور وداعی کلمات اگر فرمائے جارہے ہیں تو اسی دیوانگی کی تلقین کے ساتھ کہ ''تم عالم حقیقی کہلانے کے اس وقت تک مستحق نہیں ہوسکتے جب تک کہ کسی اللہ والے کی صحبت میں چند دن رہ کر جوتیاں نہ سیدھی کرلو''۔

جوتیاں سیدھی کرنے کے جملے سے بعض ظاہر پرست دھوکہ نہ کھاویں کہ یہ کونسی عبادت اور شرعی معاملت ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ ''جوتیاں سیدھی کرنا'' اس زمانہ میں ایک محاورہ بن گیا تھا اور اپنے کو فنا کرنے اور نفس کو منقاد ومطیع بنانے سے تعبیر تھا۔

❁ ان سے ملئے! یہ مولانا مدنیؒ ہیں، شیخ الاسلام، حجۃ الانام، دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث کی زینت، جمعیۃ العلماء کی آبرو، مجاہد ومرتاض، جنگِ آزادی کے عظیم رہنما ہیں۔ جنھیں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی شریف میں بیٹھ کر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تدریس کا شرف حاصل ہے۔ بڑے بڑے علماء، رؤساء اور شہزادے تک جن کی عقیدت کے اسیر ہیں۔ مدینہ منورہ سے اس زمانہ کی تمام تر سفری صعوبتوں اور مصیبتوں کو سہتے ہوئے ہندوستان پہنچتے ہیں۔ دیوبند سے گنگوہ تک رات کی تاریکی میں پیدل چل کر دیوانہ وار شیخ گنگوہی کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اور معلوم کیا جاتا ہے کہ حاضری کا مقصد کیا ہے؟ جواب میں بصد احترام اپنا مدعا جو عرض کیا جاتا ہے تو وہ یہ کہ ''میں کوئی دنیاوی مقصد یا نفسانی غرض سے نہیں آیا

ہوں، میرا مقصد ذاتِ حق سبحانہ، کے سواء اور کچھ نہیں ہے‘‘۔

غور کرنے کی ضرورت ہے کہ علم وعمل کے اس پیکر مجسم کو مسجد نبوی کے مبارک ماحول میں حدیث رسول کی خدمت اور حرمین شریفین کی مقدس فضاؤں میں دین اسلام کی دعوت جیسی نعمتوں کے نصیب ہونے کے باوجود آخر وہ کیا چیز تھی جس کی کمی ’’ذات حق سبحانہ وتعالیٰ‘‘ تک پہنچنے کے راستے میں رکاوٹ تھی، اور جس کے لئے انہوں نے اس زمانہ کے سفر کی صعوبتوں مشقتوں کو گوارا کرتے ہوئے، اور حرمین شریفین کے قیام کی سعادتوں کو تک چھوڑتے ہوئے ہندوستان پہنچے تھے۔ دھیان دیا جائے کہ یہ کسی ان پڑھ جاہل کا غلو فی العقیدت نہیں ہے۔ ایک بڑے متبحر عالم دین کا سوچا سمجھا فیصلہ ہے۔ ایسے عالم کا جس کی زندگی کا ہر لمحہ جہد وعمل سے تعبیر تھا اور جسے لغو لا یعنی سے گویا طبعی نفرت تھی۔ اگر ہم اس اقدام کی وجہ انہی سے پوچھ سکتے تو وہ شاید بہادر شاہ ظفر کی زبان میں ہم کو یہ جواب دیتے۔

نہ ہم نے کچھ ہنس کے پایا ہے، نہ کچھ رو کے پایا ہے
جو کچھ ہم نے پایا ہے، کسی کے ہو کے پایا ہے

❁ انہیں دیکھئے یہ علاّمہ بلیاویؒ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ المعقولات، ناظم تعلیمات، صحیح مسلم کے استاذ اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے گنجینۂ بے مثال، اس سب کے باوجود دھیان جب تربیت وتزکیہ کی طرف جاتا ہے تو بے چین ہو اٹھتے ہیں، چہار طرف نظر دوڑاتے ہیں، پتہ چلتا ہے کہ اکابر تو سب ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے، بزرگوں کی تربیت گاہیں سونی ہو رہی ہیں یا خود کو ان سے مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ پھر چھوٹوں پر نظر ڈالی جاتی ہے تو نظر اپنے ہی ایک تلمیذ رشید مصلح الامۃ حضرت شاہ وصی اللہ رحمہ اللہ پر جا کے رکتی ہے۔ ضمیر ان کے مراتب سے مطمئن، طبیعت ان کی فکر وفن سے مانوس دکھائی دیتی ہے۔ فوراً ایک درخواست پوری عاجزی ونیاز مندی کے اسلوب میں لکھ کر روانہ فرمائی جاتی ہے کہ اس آخری وقت میں میری دستگیری فرمائی جائے اللہ اللہ! ایک ذی مرتبت وعالی مقام استاذ اپنے مصلح ومربی شاگرد کے

سامنے کس طرح زانوئے سلوک طئے کررہا ہے۔ دیکھئے پہلے خط میں کیا لکھ رہے ہیں:

’’چوں کہ کوئی بیس پچیس سال سے گوناگوں اُمور میں مبتلا ہونے کی وجہ سے امر آخرت مبہم ہوگیا ہے۔ اس لئے بعض اوقات قلب کی حالت دگرگوں ہوجاتی ہے۔ ضرورت ہے کہ آنجناب اس طرف پوری قوت سے متوجہ ہوں۔ ورنہ آپ کا یہ کبیر السن بے مایہ استاذ تباہ ہوجائے گا‘‘۔

سبحان اللہ! کوئی ٹھکانہ ہے اس فکرِ آخرت اور اس کیلئے اپنے آپ کو کسی شیخ کامل، متبع سنت، مصلح و مربی کی خدمت میں سراپا اطاعت بنکر خود سپرد ہوجانے کا؟

سوال یہ ہے کہ اتنے بڑے عالمِ دین، محقق و مدرس حدیث کو اس عمر میں پہنچ کر آخر وہ کونسی کمی کا احساس تھا جو کھائے جارہا تھا۔ اور جس کیلئے اپنے کسی بڑے اور بزرگ کا بھی نہیں، چھوٹے بلکہ شاگرد کا اسیر عقیدت و اطاعت ہونے پر انھیں مجبور کررہا تھا؟ انہی سے سنئے فرمارہے ہیں کہ (باوجود دینی مشغولی اور عملی پابندی کے بھی) ’’فکر آخرت مبہم‘‘ اور ’’قلب کی حالت دگرگوں‘‘ ہورہی تھی۔ اسی اہم صفت کی کمی اور محرومی کے احساس نے انھیں بارگاہِ مصلح الامت میں پہنچایا اور پھر جب ان کی رہنمائی میں صفائے قلب کے مراحل اور فکر آخرت کی منازل طے ہونے لگیں تو دل کو قرار و اطمینان حاصل ہوا۔

سوچئے اور بار بار سوچئے کہ اتنے بڑے فقیہ و استاذ حدیث کو بھی دل کی حالت خود بخود درست کرلینا نہیں آتا تھا؟ جاہل تو خیر جاہل ہی ٹھہرے، علماء کو بھی کیا راہِ حق کے سلوک میں راہنما کی ضرورت پڑتی ہے؟ جواب ان ہی کے طرز عمل میں تلاش کیجئے، اور نہ سمجھ میں آئے تو عارف باللہ حضرت پرتابگڑھیؒ سے معلوم کیجئے۔ وہ جواب دیں گے ؎

تنہا نہ چل سکو گے محبت کی راہ میں ‏ ‏ ‏ ‏ میں چل رہا ہوں، آپ میرے ساتھ آیئے

❁ ان سب کے استاد، استاذ الاساتذہ، شیخ المشائخ، دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس، مسند حدیث کے وقار، ہندوستانی مسلمانوں کیلئے باعث صد افتخار، پورے عالم اسلام کے ہمدرد وغمگسار، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے محرک و بانی، زندگی کے ایک ایک لمحے کو بروئے کار لانے والی

شخصیت، شیخ الہند حضرت محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حال بھی ملاحظہ کیجئے۔ کیسا مبارک ماحول اور کیسی عظیم ومقدس مشغولیتیں تھیں ان کی! مگر نہ ان مشاغل پر قناعت ہے اور نہ ہی ان اعمال ظاہری پر اطمینان! ہفتہ بھر خدمت علم میں مشغول رہنے کے بعد اِدھر جمعہ کی چھٹی ہوئی اور اُدھر شب ہی کو اپنے پیرومرشد کی خدمت میں تلاشِ حق کی بے چینی لئے اور سراپا ادب ومجسمۂ احترام بنے حاضر ہوجاتے تھے۔ کیا ملتا ہے حضور! آپ کو گنگوہ میں؟ دارالعلوم کے علمی، عملی، تحقیقی اور تدریسی وتصنیفی ماحول میں آخر کس چیز کی کمی ہے؟ پوچھنے والے جب پوچھتے تو جواب میں اپنے فقیہِ محقق، عارفِ مدقق شیخ کامل کی صحبت مبارکہ میں چوبیس گھنٹے تک معرفت ومحبتِ خداوندی کی شراب سے سرشار ومخمور ہوکر آنے والے اس عالم ربانی کی زبان مبارک پر ہوتا۔

لطف مئے تجھ سے کیا کہوں زاہد　　　ہائے کمبخت! تو نے پی ہی نہیں

یعنی تعلق مع اللہ، نسبت مع اللہ اور دل کا لذت آشنائے ذکر ہونا وغیرہ وہ اُمورِ کیفیہ ہیں جنھیں محسوس تو کیا جاسکتا ہے، ان سے لذت تو حاصل کی جاسکتی ہے لیکن انھیں بیان کیسے کیا جاسکتا ہے۔ مٹھائیوں کے نام تو بتائے جاسکتے ہیں مگر مزہ نہیں بتایا جاسکتا۔ یہ نعمت تو عملاً شریک ہونے اور مرشد کامل کی نگرانی میں راہِ حق کی ٹھوکریں کھانے کے بعد ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

اور یہ تو ہمارے اسلاف کرام کی باتیں ہیں، خود ہمارے زمانہ میں ایسے اہل اللہ ہوئے ہیں بلکہ موجود بھی ہیں جنھوں نے باوجود تمام ظاہری کمالات میسر ہونے کے بھی اپنے آپ کو مستقل بالذات اور فارغ الاصلاح نہیں سمجھا۔ بلکہ ہمیشہ اہل اللہ کی سرپرستی نگرانی ورہنمائی کے محتاج بنے رہے۔ عارف باللہ حضرت قاری صدیق احمد صاحب مدظلہ العالی، استاذ الاساتذہ حضرت قاری امیر حسن صاحب دامت برکاتہم، محی السنۃ حضرت مولانا شاہ محمد ابرار الحق صاحب مدظلہم وغیرہ جیسی ہستیاں آج بھی نمونۂ اسلاف اور یادگار اکابر بنی ہوئی ہمارے سامنے موجود ہیں۔[1]

---

[1] اس تحریر کی اشاعت تک ان بزرگوں میں سے صرف حضرت قاری امیر حسن صاحب مدظلہ موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحت وعمر میں برکت نصیب فرمائے اور مرحوم اکابر کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین۔

۞ ان میں سے میں آپ کو حضرت ہردوئی دامت برکاتہم کی خدمت میں لے چلتا ہوں۔ آیئے ان کی زندگی پر ایک نظر ڈالیں۔ حضرت، اس وقت بزم اشرف کے واحد چراغ ہیں۔ الحمدللہ سالکین راہِ طریقت کے مرکز نگاہ، اور بڑے بڑے علماء ومشائخ کے مرجع ومحبوب ہیں۔ ایک عالم ان کی رہنمائی وتربیت سے مستفید ہورہا ہے۔ آپ بچپن ہی سے نہایت ذہین و فطین تھے۔ صرف سات سال کی عمر میں حفظ قرآن کریم مکمل فرمالیا تھا۔ ۱۹ سال کی عمر میں درسیات ہی سے نہیں تخصصات سے بھی فراغت حاصل کرلی تھی۔ اور امتیازی درجات سے کامیاب ہوئے تھے۔ علمی صلاحیت میں پختگی اور عملی واخلاقی طور پر صالحیت میں عمدگی سے متاثر ہوکر خود ان کے اساتذہ نے مدرسہ مظاہر علوم میں معین مدرس رکھ لیا تھا۔ خاندانی اعتبار سے نہایت ہی متمول و مالدار ہونے کے ساتھ حسن و جمال بھی اعلیٰ درجہ کا مقدر سے میسر تھا۔ اس سب کے باوجود کھڑی جوانی میں ہی وہ اپنے والد بزرگوار کی صحیح تربیت کی برکت سے مجاہد و مرتاض تہجد گذار وشب زندہ دار اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے عاشقِ زار تھے۔ ہر جمعہ کی تعطیل تھانہ بھون ہی میں گذارتے تھے۔ عید بقرعید کی تعطیلات کا بھی اکثر حصہ انہی کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ اسی مسلسل فکر وکاوش کا نتیجہ یہ تھا کہ ۲۲ سال کی عمر میں جبکہ آدمی اکثر ٹپ ٹاپ اور تقاضہائے شباب کی تکمیل میں مشغول رہتا ہے توفیق الٰہی سے تصوف وسلوک کے تربیتی مراحل سے گذر کر اپنے شیخ حکیم الامتؒ جیسے باریک بین ونکتہ رس مربی کی نظر میں اصلاح وتربیت، بیعت وتلقین کی اجازت کے لائق ہوچکے تھے اور خلافت کے اہل قرار پاگئے تھے۔ لیکن انھوں نے بزرگوں کا جو بھی ماحول دیکھا تھا، اور خانقاہِ تھانہ بھون کی وابستگی میں جو فکری تربیت پائی تھی اس کی روشنی میں کبھی اپنے کو ''مستقل بالذات'' اور کاملین کی صحبت و سرپرستی کی ضرورت سے مستغنی نہیں سمجھا۔ چنانچہ جب حضرت حکیم الامت کا وصال ہوگیا تو، حضرت خواجہ صاحبؒ سے وابستہ ہوگئے۔ ان کا بھی انتقال ہوگیا تو حضرت مصلح الامۃ کو سرپرست بنالیا، وہ بھی دنیا میں نہ رہے تو حضرت پھولپوریؒ سے سلسلۂ تعلق جوڑ لیا۔ وہ بھی

وفات پا گئے تو سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک متبع سنت و صاحب علم بزرگ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڑھی دامت برکاتہم کی خدمت میں وقتاً فوقتاً حاضری دینے اور ان سے جڑے رہنے کا اہتمام آج بھی فرمارہے ہیں[۱]۔

دھیان دینے اور توجہ کرنے کی ضرورت ہیکہ عالم دین، حافظِ قرآن، شیخ طریقت بلکہ شیخ المشائخ، بلامبالغہ ہزاروں علماء اور لاکھوں مسلمانوں کے محبوب ومخدوم روحانی رہنما ہونے کے باوجود اور خلقِ خدا کی زبان سے ''عارف باللہ''، ''محی السنۃ'' جیسے القاب وآداب سے یاد کئے جانے کے باوصف، سینکڑوں مدارس دینیہ کے ناظم اور بیسیوں دینی جماعتوں کے سرپرست و سربراہ ہونے کے بعد بھی کیوں انھیں اپنے آپ پر اعتماد کی جرأت نہیں ہوتی اور کیوں کسی نہ کسی بڑے سے وابستہ اور زیر سایہ رہنے کو لازمی وضروری سمجھتے ہیں؟ اس کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے جو ان ہی کے شیخ حکیم الامت ؒ نے زندگی بھر کے تجربہ کے بعد فرمایا تھا:

''وصول الی اللہ اور نسبت مع اللہ کا حصول (پھر اس کا بقاء بھی) صحبت ِکاملین کے بغیر عادۃً ممکن نہیں ہے''۔

ان ہی کے ایک خلیفۂ اجل عارف باللہ حضرت حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم کا حال دیکھئے کہ پاکستان، بنگلہ دیش اور ہندوستان کے بشمول اس وقت دنیا کے تقریباً ۳۲ سے زائد ملکوں میں مریدین ومتوسلین کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ عرب ممالک میں تک اہل سلسلہ موجود ہیں۔ گویا کہ اس وقت کے شیخ العرب والعجم بنے ہوئے ہیں۔ مقبولیت ومحبوبیت کا یہ عالم ہے کہ کسی شہنشاہ کو کیا نصیب ہو۔ حکیم جسمانی بھی ہیں، طبیب روحانی بھی۔ مثنوی مولانا رومؒ کے شارح بھی ہیں، شیخ پھولپوریؒ کے معارف وعلوم کے وارث بھی...... کتنے ہی نوجوان جو بے دینی وگمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے پھر رہے تھے ان کی رہنمائی میں راہِ ہدایت کے شہسوار بن گئے اور کتنے ہی علماء ومدرسین جو ملائے خشک ونا ہموار تھے، ان کی فیضِ صحبت سے خدارسیدہ و

---

[۱] افسوس کہ اس مضمون کی اشاعت کے وقت دونوں ہی بزرگوں کے وجود مسعود سے دنیا محروم ہوچکی ہے۔ اللھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم۔ آمین

برگزیدہ ہوگئے۔ بایں ہمہ مراتب وکمالات یہ سنی سنائی بات نہیں آنکھوں سے دیکھا حال ہے کہ جب ہردوئی تشریف لائے اوران کے شیخ حضرت محی السنۃ مدظلہم نے ان سے نماز مغرب پڑھوانے کے بعد فرمایا ''تجوید کی پختگی میں ایک آنچ کی کسر ہے'' تو یہ منظر میں بھول نہیں سکتا کہ بعد فجر تقریباً ایک گھنٹہ تک ہندوستان کے نامی گرامی بزرگوں اور بڑے بڑے علماء کی موجودگی میں علوم و معارف کی بارش برسانے کے بعد حضرت حکیم صاحب مدظلہ ''نورانی قاعدہ'' ہاتھ میں لئے درجۂ قاعدہ کے طلبہ کے ساتھ ترانہ میں موجود نظر آتے تھے۔ اور یہ نقشہ بھی آنکھوں میں گھوم رہا ہے کہ ایک رات مہمان خانہ میں ان کے اعزاز میں ایک نورانی مجلس جمی تھی جس میں مخدوم الاکابر حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڑھی ؒ میر مجلس تھے، ایک طرف حضرت محی السنۃ مدظلہ کی نشست تھی ایک جانب حضرت حکیم صاحب مدظلہ کی۔ سامنے حضرت حکیم صاحب سے ملاقات کے لئے تشریف لانے والے مختلف علاقوں کے علماء کرام اور دیگر حاضرین وسامعین۔ سخت سرما کا موسم تھا اس لئے درمیان میں ایک انگیٹھی بھی دہکا کر رکھی ہوئی تھی۔ کبھی حضرت ہردوئی ارشاد فرمارہے ہیں اور کبھی حضرت حکیم صاحب بیان فرمارہے ہیں۔ درمیان میں کسی مناسبت سے حضرت پرتا بگڈھی اپنے اشعار سنارہے ہیں۔ کبھی کامل چائیس پوری سے فرمائش ہورہی ہے کہ وہ کوئی نظم سنائیں عجیب حسین منظر تھا وہ، خیر! عرض یہ کررہا ہوں کہ شب جس کے اعزاز واکرام میں یہ مبارک محفل سجائی گئی تھی صبح وہی حکیم صاحب مدظلہ ایک عریضہ پیش کرنے کیلئے حضرت ہردوئی کی نشست گاہ میں تشریف لائے جیسے ہی اندر داخل ہوئے اپنی آنکھوں نے یہ نقشہ خود دیکھا اور سینہ نے محفوظ کیا ہے کہ عالی مرتبت شیخ اپنے اس مرید باصفا پر خفا ہورہے ہیں اور فرمارہے ہیں:

''آپ کو اندر آنے کے آداب نہیں معلوم؟ آپ نے اجازت لی؟ باہر تختی آویزاں ہے اسی کو پڑھ لیتے! کچھ نہیں بس ہر شخص اپنے کو مستثنٰی اور مقرب سمجھ لیتا ہے اب جائیے بعد میں پھر طریقہ سے آکر دیجئے''۔

اللہ اکبر!

خونِ دل پینے کو لختِ جگر کھانے کو
یہ غذا ملتی ہے جاناں ، تیرے دیوانے کو

حضرت حکیم صاحب واپس گئے۔ کچھ دیر کے بعد دروازہ کے باہر کھڑے ہوکر دبی زبان میں سراپا ادب ہوکر عرض کیا ''اختر حاضر ہوسکتا ہے؟'' اجازت ملی، اور خط دیکر چلے گئے۔اس دارو گیر پر نہ ماتھے پر شکن آئے اور نہ ہی طبیعت پر گرانی کے اثرات ہوئے۔ بلکہ دن میں کسی وقت دیکھا کہ مولانا بشارت علی صاحب اور چند خواص کے ساتھ دفتر میں بیٹھ کر عظمت ومحبت کے ملے جلے جذبات میں خود ہی اس واقعہ کو مزے لے لے کر سنا رہے تھے اور بزبانِ حال فرمارہے تھے۔

نہیں کوئی خواہش ترے در پہ میں لایا ہوں
مٹا دیجئے ،مٹا دیجئے ، میں مٹنے ہی کو آیا ہوں

ادھر عصر بعد کی مجلس میں حضرت محی السنۃ مدظلہ نے اصلاح نفس اور تربیت اخلاق کی جانب توجہ دلاتے ہوئے حضرت حکیم صاحب ہی کی مثال دی اور فرمایا ''دیکھتے نہیں ہو حکیم صاحب خود بڑے عالم ہیں اور شیخ بھی ہیں۔ان سے ملاقات کیلئے حضرت مولانا علی میاں اور حضرت مفتی محمود حسن صاحب جیسے اکابر تشریف لارہے ہیں۔اور کس طرح وہ قرآن مجید کی تصحیح کیلئے اور اللہ کے کلام کو سنت کے مطابق پڑھنا سیکھنے کیلئے درجہ قاعدہ کے طلبہ میں بیٹھ کر مشق کررہے ہیں۔فکر پیدا ہوتی ہے تو سب کچھ آسان ہوجاتا ہے۔اس کے بعد حضرت نے درد بھری آواز میں باچشم نم حضرت حکیم صاحب کی شان میں یہ شعر پڑھا تھا ؎

این چنیں شیخ گدائے کو بکو   عشق آمد لا اُبالی فاتقوا

اس کے بعد بھی مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ کسی بات پر حضرت ہردوئی نے حضرت حکیم صاحب سے فرمایا کہ آپ اپنے علاج کے لئے تدریس، تالیف، تبلیغ سب بند کردیں اور اپنی فکر میں لگ جائیں۔تو سراپا اطاعت ہوکر کمال تفویض وتسلیم کا مظاہرہ فرمایا۔

پھر جب حضرت حج کے لئے براہ کراچی تشریف لے جارہے تھے تو کراچی ایر پورٹ پر ان سے ملاقات ہوئی۔ اپنے سینے سے لگا کر تمام خدمتیں بحال فرمادیں۔ اور حضرت حکیم صاحب نے بطور تشکر اپنے یہ اشعار شیخ کی خدمت میں پیش فرمائے ؎

مری رسوائیوں پر آسمان رویا زمیں روئی　　میری ذلتوں کا لیکن آپ نے نقشہ بدل ڈالا
بہت مشکل تھا مرے نفس امارہ کا چت ہونا　　تری تدبیر الہامی نے اس کا سر کچل ڈالا

سبحان اللہ! کیا حالات ومقامات ہیں یہ!

دوستو! ہمیں اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ یہ کوئی دل لگی نہیں ہے، کھیل تماشہ نہیں ہے، ڈرامے نہیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان مواقع پر ''نفس کشی'' کے ان کٹھن مرحلوں سے گزرنے سے زیادہ آسان جان دیدینا نظر آتا ہے۔ مگر ان حضرات کا یقین کامل بن گیا تھا ؎

کمالِ عشق تو مرمر کے جینا ہے، نہ مرجانا

واقعہ یہ ہے کہ انہی امتحانات وابتلاءات میں کامیابی کے بعد نمبر آتا ہے انعام واکرام اور امامت انسانیت سے سرفراز کئے جانے کا۔ دیکھئے حق تعالیٰ خود فرمارہے ہیں۔ اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ (البقرہ ۱۲۴) وہ نبی تھے ان کے مربی حق تعالیٰ خود تھے۔ لیکن امت اسباب کی اس دنیا میں علماء ربانین اور اولیاء کاملین کی محتاج بنادی گئی ہے کہ ان کی تربیت پھر ابتلاء امتحان سے گزرنے کے بعد ہی ولایتِ صدیقیت کے مراتب علیا تک پہنچ سکتی ہے۔ چنانچہ جنھوں نے تزکیہ وتربیت ابتلاء وآزمائش کی ان کٹھن منزلوں سے اپنے کو گذار لینے میں توفیق الٰہی سے کامیابی حاصل کرلی انھیں جینے کا مزہ اور مرنے کا لطف سب کچھ حاصل ہوگیا۔ اور آخرت کے اجر وثواب تو انشاء اللہ حسبِ وعدہ ملنے ہی والے ہیں۔

غرض یہ ہے کہ اس وقت جبکہ تعلیم کا رسمی سلسلہ اختتام پذیر ہورہا ہے اور آپ محدثِ عظیم حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی مدظلہ کے ہاتھوں دار العلوم کے ''السابقون الاولون'' بنتے

ہوئے دستارِ فضیلت حاصل کرنے جارہے ہیں۔ اس بات کا تہیہ وارادہ بھی کرلیجئے کہ اپنی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے مشائخ کرام میں سے کسی نہ کسی سے اپنا رشتۂ ارادت واطاعت جوڑ لیں گے اور اس وقت تک چین نہیں لیں گے جب تک کہ تکمیل سلوک یعنی حصول الی اللہ کی نعمت عظمیٰ حاصل نہ ہوجائے گی۔

نہ جانے کیا سے کیا ہوجائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا جو دستارِ فضیلت گمُ ہو دستارِ محبت میں

آخر میں دراز گوئی وطویل کلامی نیز جرأت و بے باکی کی سب ساتھیوں سے معذرت خواہی کو ضروری سمجھتا ہوں کہ بے تکلفی و تعلق باہمی میں یہ سب کچھ کہہ گذرا۔ نہ میں اس کا اہل ہوں نہ ہی ان خوبیوں کا حامل۔ عرض کی گئی سب باتوں کو عمل میں لانے کا آپ سب سے زیادہ میں ہی محتاج ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل نصیب فرمائیں۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

باسمہٖ تعالیٰ

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا

مقامِ فناء و عبدیت

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، اہل علم جانتے ہیں کہ ماضی قریب کے اکابر علماء و مشائخ میں سے ایک تھے۔ علوم ظاہرہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے بہت اونچا مقام عطا فرمایا ہی تھا، علوم باطنہ میں بھی انہیں اعلیٰ درجہ کا محقق و مجتہد بنایا تھا۔ حضرتؒ بلاشبہ عارفینِ کاملین اور اولیاءِ صادقین میں سے تھے، یہ بات اہل طریق سے مخفی نہیں کہ طریقت میں بندہ کا سب سے اعلیٰ مقام ''عبدیت'' ہی ہے۔ عنداللہ قبولیت بھی اسی پر موقوف ہے اور عندالناس مقبولیت بھی اسی سے نصیب ہوتی ہے۔ تفاضل و تفاخر، عجب و تکبر اور اپنی ذات و صفات پر نظر سالکینِ طریق کیلئے سم قاتل اور سیفِ ہالک ہے۔ جنوبی ہند کے ایک ذی مرتبت عالم دین و شیخ طریقت حضرت مفتی محمود حسن صاحب پرنام بٹیؒ نے اپنے ایک زیر تربیت بزرگ کو لکھا تھا...... ''جس دن آپ کو اپنے کچھ ہونے کا احساس ہوا، سمجھ لیجئے کہ یہ ماتم کا دن ہے، کیوں کہ یہاں سے سالک کا زوال شروع ہوجاتا ہے''۔ اور حضرت حکیم الامتؒ نے بھی ایک دفعہ فرمایا تھا...... ''جس نے اپنے کو کچھ سمجھا وہ کچھ بھی نہیں ہے''۔

اگلے صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں کہ آدمی پر جب اپنی حقیقت منکشف ہوجاتی ہے اور حق تعالیٰ کی عظمت کا سکہ قلب پر جم جاتا ہے تو اس کے اندر (باوجود بے مثال کمالات کے بھی) عبدیت و فنائیت کی کیسی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ کیفیت برسوں کی تربیت، طویل مجاہدہ و ریاضت اور کامل ایثار و فدویت کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ محض کسی کے مرید ہوکر اور

چند وظیفوں کو پڑھ کر یہ سمجھ لینا کہ ''عبدیت'' کا اعلیٰ مقام نصیب ہو جائے گا خیالِ خام ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ کے یہ ملفوظات و ارشادات میں نے محترم و مکرم جناب محمود الحسن صاحبؒ کی کتاب ''اغلاط الخواص والعوام'' کے مقدمہ سے لئے ہیں، جو انہوں نے حضرتؒ کے مطبوعہ ملفوظات سے جمع کئے ہیں۔ خدا کرے کہ ہمیں بھی اس سے کچھ سبق حاصل ہو اور ہم بھی ان مراتب کے حصول کی فکر کریں۔ آمین

محمد عبد القوی

{۱} فرمایا کہ:

عمر بھر اس کی ضرورت ہے کہ اپنے نفس کی نگہداشت رکھے اور علاج میں لگا رہے۔ کاملین بھی اس سے فارغ نہیں، صرف ضعف وقوت کا فرق ہے، نہ یاس ہونا چاہئے نہ فراغ۔

⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘

{۲} فرمایا کہ:

اگر چہ میں اعمال میں تو بہت کوتاہ ہوں لیکن الحمدللہ اپنی اصلاح سے غافل نہیں، ہمیشہ یہی اُدھیڑ بُن لگی رہتی ہے کہ فُلاں حالت کی یہ اصلاح کرنی چاہئے اور فلاں حالت میں یہ تغّیر کرنا چاہئے، غرض کسی حالت پر قناعت نہیں اور اگر چہ میں نجات کو اعمال پر منحصر نہیں سمجھتا، محض حق تعالیٰ کے فضل پر سمجھتا ہوں لیکن بندہ کے ذمہ اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ اسکے اوامر کو بجالائے اور نَواہی سے اجتناب رکھے۔ اسلئے مجھ کو اپنے اعمال کی کوتاہی پر سخت ندامت ہے اور ہمیشہ اپنی اصلاح کی فکر رہتی ہے۔

⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘

{۳} فرمایا کہ:

جی یوں چاہتا ہے کہ دنیا اپنی اپنی اصلاح میں لگی رہے اور جب خدا تعالیٰ دوسروں کی اصلاح کی بصیرت عطاء فرمائیں تو پھر دوسروں کی اصلاح میں بھی مشغول ہو جاؤ۔ مجھے تو بڑی مسرت ہوتی ہے جب کوئی مسلمان اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرتا ہے۔

⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘

{۴} فرمایا کہ:

جس کو داخل طریق ہو کر تواضع میسّر نہیں ہوئی وہ بالکل محروم ہے۔ جیسے کسی نے ایک امیر کی لڑکی سے شادی کی لیکن وہ رَتقا (بانجھ) تھی تو مقصودِ نکاح حاصل نہ ہوا۔

⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘

میں نے اپنی اس تمام عمر میں سارے طریق کا جو حاصل سمجھا وہ ''فناء وعبدیت'' ہے، بس جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو مٹایا جائے اسی کے لئے سارے ریاضات ومُجاہدات کئے جاتے ہیں اور بس! اپنی ساری عمر عبدیت کی تحصیل ہی میں گزار دینا چاہیئے۔

{۵} فرمایا کہ:

اگر یہ خیال ہوا کہ مجھ میں ''تواضع'' ہے تو یہ ''کبر'' ہے۔ اس کے تواضع ہونے کی طرف خیال نہ کرے، اپنے کو مٹاتا رہے، خلاصہ یہ ہے کہ بہترین علاج اس کا یہ ہے کہ اپنے امراض و حالات کی اطلاع اپنے شیخ کو دیتا رہے وہ جو تعلیم کرے اس پر عمل کرتا رہے، اس کی تعلیم اور اس کے اقوال میں مزاحمت نہ کرے۔ اگر فرضاً کسی کو اپنے امراض معلوم نہ ہوں جس کی اطلاع کر سکے تو وہ فضائل کا اکتساب کرے جیسے شکر، توکل وغیرہ۔ بس کسی نہ کسی طرح لگا رہے۔ انشاء اللہ ایک روز ایسا آئے گا کہ یہ بالکل رَذائل سے پاک وصاف ہو جائے گا۔ اسی لگے رہنے کو فرماتے ہیں:

اندریں رہ می تراش و می خراش تادم آخر دمے فارغ مباش

⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘

{۶} فرمایا کہ:

میں اپنے آپ کو کسی مسلمان سے حتیٰ کہ ان مسلمانوں سے بھی جن کو لوگ فُسّاق وفُجّار سمجھتے ہیں فی الحال، اور کُفّار سے بھی احتمالاً فی المآل افضل نہیں سمجھتا اور آخرت میں درجات حاصل ہونے کا تو مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں آیا، کیونکہ درجات تو بڑے لوگوں کو حاصل ہوں گے مجھے تو جنتیوں کی صفِ نعال (جوتیوں) میں بھی جگہ مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہو۔ اس سے زیادہ کی ہوس ہی نہیں ہوتی، اور اتنی ہوس بھی بر بناءِ استحقاق نہیں بلکہ اسلئے کہ دوزخ کے عذاب کا تحمل نہیں۔ اور یہ جو میں بضرورتِ اصلاح دوسروں کی ''زجر وتوبیخ'' کیا کرتا ہوں تو

اس وقت بھی جلاّ د کے شاہی حکم کے مطابق مجرم شہزادے کو دُرّے لگانے کی مثال میرے پیش نظر رہتی ہے کہ جلاّ د کے دل میں یہ وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ میں شہزادے سے افضل ہوں۔غرض کوئی مومن کیسا ہی بداعمال ہو اس کو حقیر نہیں سمجھتا بلکہ فوراًیہ مثال پیش نظر ہوجاتی ہے کہ اگر کوئی حَسین اپنے منہ پر کالک مَل لے تو اس کو جاننے والا کالک کو تو بُرا سمجھے گا لیکن اس حَسین کو حسین ہی سمجھے گا اور دل میں کہے گا کہ یہ جب کبھی بھی صابون سے منہ دھولے گا پھر اس کا وہی چاند سا چہرہ نکل آئیگا۔ غرض مجھ کو صرف معصیت کے فعل سے نفرت ہوتی ہے اس کے مرتکب سے نفرت نہیں ہوتی۔

{۷} فرمایا کہ:

جب میں کسی کے ہدیہ کو وجہ کے ساتھ بھی رَد کرتا ہوں تو بہت ڈرتا ہوں کیونکہ غور کرنے سے کسی قدر شک ِکبر کا ہوتا ہے۔استغناء اور ِکبر میں فرق نہایت دشوار ہے، دونوں بہت متشابہ ہیں۔کبھی اس میں دھوکا ہوجاتا ہے کہ جس کو ہم استغناء سمجھ رہے ہیں وہ دراصل ِکبر ہوتا ہے۔خدا ہی محفوظ رکھے تو انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔ورنہ ہمارا ہر قول وفعل، حال وقال سب ہی پُر از خطر ہیں۔کوئی حالت خطرہ سے خالی نہیں۔ مجھے تو اب بچپن کا پڑھا ہوا یہ شعر اکثر یاد آیا کرتا ہے۔

مَن نہ گویم کہ طاعتم بپذیر　　　قلم عفو بر گناہم کش

بلکہ بروئے حدیث ''بر گناہم'' تو کیا حق تعالیٰ خود ہماری طاعات کو معاف فرمادیں اور طاعات تو خیر کیا قابل معافی ہوتیں، مطلب یہ ہے کہ اُن میں جو کوتاہی ہے وہ معاف فرمادیں کیونکہ جن کو ہم اپنی طاعات سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت طاعات ہی کب ہیں؟۔میں کہتا ہوں کہ ایسی طاعات پر ہم لوگوں سے اگر مواخذہ نہ ہو تو غنیمت ہے۔

⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘

{۸}فرمایا کہ:

نہ علم کا اعتبار نہ عمل کا اعتبار، نہ حال کا اعتبار، نہ مقام کا اعتبار، کسی شئے کا اعتبار نہیں، یہاں تک کہ جو سب سے زیادہ ضروری چیز ہے یعنی ایمان اُس کی بقاء کا بھی کیا اعتبار کیونکہ قضا و قدر کے سب جکڑ بند ہیں، کیا معلوم کس کے لئے کیا مقدر ہو چکا ہے......اپنی کیسی ہی اچھی حالت ہو ہرگز ناز نہ کرے اور دوسرے کی کیسی ہی بُری حالت ہو ہرگز اس پر طعن نہ کرے۔ کیا خبر ہے کہ اپنی حالت اس سے بھی بدتر ہو جائے۔ بھلا کسی چیز پر کوئی کیا ناز کرے جبکہ ہمارا علم و عمل، حال و مقام سب خدا کے قبضہ میں ہے۔ ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا و ما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہٖ کوئی چیز انسان کے مستقل اختیار میں نہیں۔ (تو ایسی کسی چیز پر ناز کا اس کو حق بھی نہیں)

⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘

{۹}فرمایا کہ:

دیا سلائی کی طرح سارے موادِ خبیثہ نفس میں موجود ہیں بس رگڑ لگنے کی دیر ہے اللہ تعالیٰ نے جب تک رگڑ سے بچا رکھا ہے بچے ہوئے ہیں۔ فرعون و ہامان کو نہیں بچایا اُن میں وہ مادّے سُلگ اٹھے۔ اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رکھے تو انسان محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ ہر وقت خطرہ ہے۔

اکثر گمراہ فرقوں کے عقائد واہیہ کے تذکروں میں بے اختیار ہاتھ جوڑ جوڑ کر اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز و نیاز کے لہجہ میں عرض کرنے لگتے تھے

''اے اللہ اپنے قہر سے بچائیو'' اور حضرت مولانا رُومیؒ کا یہ شعر پڑھنے لگتے تھے:

از شرابِ قہر چوں مستی دِہی نیستہا را صورتِ ہستی دِہی

اور فرمانے لگتے کہ:۔

''جب اللہ تعالیٰ کا قہر ہوتا ہے تو باطل چیزیں بھی حق نظر آنے لگتی ہیں اور اوہامِ باطلہ بھی حقائق کی صورت اختیار کر لیتے ہیں''۔

⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘

{۱۰}فرمایا کہ:

یہ جو اصلاحِ نفس کی سَہل سَہل اور نافع تدابیر اللہ تعالیٰ ذہن میں ڈال دیتے ہیں، یہ سب طالبین ہی کی برکت ہے، میرا کوئی کمال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ میرے بندوں کی اصلاح ہو اور نفع پہنچے لہٰذا ایک نا کارہ سے خدمت لے رہے ہیں۔ اور جس کو اپنے علوم و معارف پر ناز ہو وہ ذرا طالبین سے الگ ہو کر تو دیکھے واللہ جو بالکل ہی پَٹ نہ ہو جائے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اوروں ہی کے نفع کیلئے اس کو یہ علوم و معارِف عطاء فرمارہے ہیں۔ ماں یہ ناز نہ کرے کہ میں بچہ کو دودھ پلاتی ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کو منظور ہے کہ بچہ کی پرورش ہو اس لئے اس کے گوشت میں بھی دودھ پیدا کر دیا ہے۔ چھاتیوں میں سے جو یہ دودھ اُبل رہا ہے یہ بچہ کے جذب ہی کی برکت ہے۔ اگر ماں بچہ کو دودھ پلانا چھوڑ دے تو پھر دودھ ہی خشک ہو جائے۔ اسی طرح اگر کنویں میں ڈول ڈال کر پانی نہ نکالا جائے تو نیا پانی آنا بند ہو جائے۔ غرض اگر شیخ اِلقاء چھوڑ دے تو تَلَقِّی بھی بند ہو جائے۔

{۱۱}فرمایا کہ:

......میں تو بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا۔ نہ علمی نہ عملی، نہ حالی نہ قالی۔ بلکہ مجھ میں تو سراسر عیوب ہی عیوب بھرے پڑے ہیں۔ اگر کوئی میری بُرائی کرتا ہے تو یقین جانئے مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں آتا کہ میں بُرائی کا مستحق نہیں، ہاں اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں تعریف کے قابل کون سی بات ہے جو اس کا یہ خیال ہے، اس کو دھوکا ہوا ہے۔ حق تعالیٰ کی ستّاری ہے کہ میرے عیوب کو پوشیدہ کر رکھا ہے، اس لئے کسی کا بُرا بھلا کہنا مجھے مطلق نا گوار نہیں ہوتا اور اگر کوئی میری ایک تعریف کرتا ہے تو اُسی وقت اپنے دس عیب میرے پیشِ نظر ہو جاتے ہیں...... میں مدّت سے یہ دعا مانگ رہا ہوں اور اب بھی تازہ کر لیا کرتا ہوں کہ ’’اے اللہ میری وجہ سے اپنی کسی مخلوق سے مواخذہ نہ کیجیو‘‘ میرے ساتھ کسی

نے جو کچھ بُرائی کی ہو یا آئندہ کرے وہ سب میں نے دل سے معاف کی......اھ“

⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘

نوٹ: یہ علم وعمل کی مطلق نفی اہل اللہ سے کبھی علم وعمل کے اعلیٰ مراتب کبھی خلوص وللّٰہیت کے مطلوبہ معیار کے مدنظر ہوجاتی ہے اوراس وقت کی خاص کیفیت قلبی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ورنہ یہ حضرات حق تعالیٰ کی نعمتوں کے منکرو ناشکرے نہیں ہوتے۔(م۔ع۔ق۔)

برکات بکڈپو
Barakaath
Book Depot

17-1-391/2M/1, Khaja Bagh, Sayeedabad, Hyd. T.S.